ڈاکٹر سمیرا بشیر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو
وفاقی جامعہ اردو، مولوی عبدالحق کیمپس، کراچی

"اُداس نسلیں"۔ ایک تنقیدی مطالعہ

"UDDAS NUSLAIN": A CRITICAL STUDY

Abstract

"Uddas Nuslain" is a famous novel of Abdullah Hussain in which he has narrated the political and historical events accruing between 1914-1947. In the four chapters, Abdullah Hussain has written an account of the British India and the partition of India, and in conclusion he has depicted the effects of these of these political changes on the different classes of people and their participation or aloofness in these circumstances. Through Naeem's character, A. Hussain has represented those characters who have struggled hard for the safeguard and solidarity of the country at the risk of their own lives. But even then, they have been unsuccessful.

Whereas, on the other hand, Roshan Agha and his family has been rewarded with all the luxuries for being faithful to the British. In spite of having achieved independence, the class system and injustices could not be overcome. Hence forth the country was changed but the system could not be changed. A. Hussain has conveyed this very message that people who put forth effort and end angered their lives were not the ones who received the benefits, they were others. These people were victimised and crushed and never achieved their goals and infect they are the disappointed and thwarted people the "Udas Naslein" of the society.

"اُداس نسلیں" عبداللہ حسین کا طویل اور مشہور ناول 1962ء میں شائع ہوا۔ جس میں انھوں نے 1914ء سے 1947ء تک کے تاریخ اور سیاسی واقعات کو بیان کیا ہے۔ جس پر ڈاکٹر سلیم اختر نے یوں تبصرہ کیا ہے۔

عبداللہ حسین کا طویل ناول ایک عجوبہ ہے۔۔۔ عبداللہ حسین نے وسیع کینوس پر زندگی کا مشاہدہ کیا۔۔۔اداس نسلیں انگریزی میں The Wearing Generation (لندن ۱۹۹۹) کے نام سے

چھپ چکا ہے۔

ناول چار حصوں پر مشتمل ہے۔ناول کا پہلا حصہ "ہندوستان "دوسرا" برٹش انڈیا"تیسرا"بٹوارا" اور چوتھا"اختتامیہ " کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ان چار حصوں میں ناول نگار نے جنگِ عظیم اول، جنگِ عظیم دوم، تحریکِ پاکستان، تقسیم ہند، ہجرت اور قیام پاکستان کے بعد کے حالات کو بیان کیا ہے۔

طویل ناول ہونے کی وجہ سے ناول کا پلاٹ وسیع اور پھیلا ہوا ہے۔کئی جگہ غیر ضروری طوالت کی وجہ سے ناول کی فنّی اہمیت پر برے اثرات پڑے ہیں۔خاص طور پر ناول کے پہلے دو حصوں میں انھوں نے ایسے واقعات بھی بیان کر دیئے ہیں۔جن کا ناول کے اصل موضوع سے کوئی تعلق نہ تھا۔

"۔۔۔اس کی قدر و قیمت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے یہ اختلاف دراصل اس کی طوالت کی بناء پر پیدا ہوا۔بعض لوگ محض طوالت سے مرعوب ہو کر اسے عظیم بھی تسلیم کر لیتے ہیں۔بعض لوگوں کے نزدیک طوالت ہی اس کا بڑا عیب ہے"۔۲

مثلاً جب عبداللہ حسین "روشن پور"کا ذکر کرتے ہیں تو دیہاتی ماحول کی ایک ایک بات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔یہاں تک کہ بھینس کی جگالی یا دوسرے جانوروں کی حرکات و سکنات کو اس انداز سے ذکر کرتے ہیں جیسے وہ ناول کے مرکزی کردار ہوں۔

"بھوری بھینس کا زخم کھلوا کر دیکھا اور اپنے سامنے جانوروں کے رکھوالے سے اس پر ہلدی اور سرسوں کے تیل کی پٹی کرائی"۔۳

"بیلوں کے نتھنے پھڑ پھڑائے، مونچھیں ہوا میں لہرائیں اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ دوڑ پڑے گا"۔۴

اسی طرح ۱۹۱۹ء میں جلیاں والا باغ کے الم ناک حادثے کو ایک مچھیرے کے کردار کے ذریعے بیا ن کرنے میں عبداللہ حسین بری طرح ناکام ہو گئے ہیں۔مچھیرے نے اس انداز سے واقعے کو بیان کیا اصل واقعے کی جگہ دوسری تفصیلات نمایاں ہو گئیں ہیں۔

اگرچہ ناول کے پہلے اور دوسرے حصے کے مقابل میں ناول کے تیسرے اور چوتھے حصے میں ہجر ت اور قیامِ پاکستان کے بعد کے حالات کو متاثر کن انداز میں بیان کیا ہے، لیکن اس کے باوجود بعض واقعا ت یا جز ایسے بھی ہیں جو غیر ضروری ہیں۔

بقولِ ڈاکٹر عبدالسلام: "اس ناول میں بہت سے Episodes ایسے ہیں جو پورے طور پر قصہ کا جز و نہیں بن پائے اور پیوند کی طرح اوپر سے چپکائے ہوئے نظر آتے ہیں"۔۵

اسی خیال کو اسلم آزاد نے اس طرح بیان کیا ہے:

"ناول نگار کے اپنے بیانات مکالموں سے زیادہ ہیں دراصل ان بیانات کی حیثیت پیوند کی سی ہے"۔۶

ناول کے اسلوب کا جب جائزہ لیں تو جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ مقامی زبانوں کے اثرات ہیں۔ مثلاً: "کلکتے میں بیائی پھاگن تک کرتے رہتے ہیں۔" ۷

"کل بھاپے کے ساتھ جاٹ نگری جا رہی ہوں۔" ۸

ناول میں جب شہر کے ماحول یا روشن محل کا ذکر کیا ہے تو شہری زندگی کے طور طریقے، رکھ رکھاو اور پر تکلف گفتگو کو بیان کیا ہے: "آپ خفا تو نہیں ہوئے، میں نے آپ سے مذاق کیا ہے۔" ۹

"۔۔۔یہ تقریب اس سلسلے میں تھی کہ آج سے بابا (روشن آغا) کہلائیں گے۔" ۱۰

ناول کا ایک کمزور پہلو ناول نگار کا انسانی کرداروں کی حرکات و سکنات کو جانوروں سے تشبیہ دے کر بیان کیا گیا ہے: "ڈرے ہوئے کتّے کی طرح دانت نکال کر وہ چیخا اور بھاگ اُٹھا" ۔ ۱۱

"اس کا چہرہ میلے سنولائے ہوئے رنگ کا تھا جیسے گھوڑے کی لید کے اُپلوں کا ہوتا ہے" ۔ ۱۲

ناول میں کئی جگہ فحش گالیاں اور جنسی مناظر کی بھی تصویر کشی کی گئی جس کا ناول کے اصل موضوع سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

"اس ناول کی ایک بات ۔۔۔ کھٹکتی ہے وہ تذکرہ جنس کی تفصیلات بھی ہیں اور کھلی گالیاں بھی۔ ممکن ہے حقیقت نگاری کا تقاضا پورا کرنے کی خاطر مصنف نے یہ انداز اختیار کیا ہو مگر انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ اس طرح ادبیت کا خون ہوتا ہے" ۔ ۱۳

اس خیال کی تائید اسلم آزاد نے ان الفاظ میں کی ہے:

"۔۔۔لیکن کہیں ایسی فحش گالیاں لکھ دی ہیں جن کی وجہ سے حسن و اثر ماند پڑ گئے ہیں" ۔ ۱۴

ان تمام خامیوں کے علاوہ ناول کے پلاٹ کی کئی خوبیاں بھی ہیں۔ ناول میں ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جس سے برِ صغیر کے تاریخی اور سیاسی حالات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ جیسے جنگِ عظیم اول کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ: "۴ اگست ۱۹۱۴ کو جنگ کا اعلان کیا گیا" ۔ ۱۵

۱۹۱۹ میں جلیاں والا باغ کے المناک واقعہ کو اگرچہ نہایت بچکانہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے لیکن ان کی اس خوبی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے اس واقعے کی اہمیت کا خیال رکھا۔ ناول کے موضوع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عبداللہ حسین نے تحریکِ پاکستان کے دوران پیش آنے والے اہم واقعات کو اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔

"انقلاب زندہ باد۔" کئی ہزار لوگ چلائے۔ وہ مڑ کر کھڑا ہو گیا۔ مختلف قسم کے نعروں کا شور اس کے کانوں میں آ رہا تھا: "انقلاب زندہ باد۔۔۔اکھنڈ ہندوستان زندہ باد، حکومت برطانیہ مردہ باد۔ پاکستان زندہ باد" ۔ ۱۶

سائمن کمیشن کے خلاف مظاہرین کے احتجاج کو بھی بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ ہزاروں انسانی سروں

کے اوپر جگہ جگہ چھوٹے بڑے سیاہ جھنڈے لہرا رہے تھے اور ہجوم میں بار بار تین انگریزی الفاظ کی پکار اُٹھ رہی تھی" Simon, go back۔۔۔ انھیں اس جذبے سے دہرائے جا رہے تھے جیسے ان کی سیکڑوں برس کی مشقت اور غربت کا انعام انھی تین لفظوں میں پنہاں تھا"۔۱۷

تقسیمِ ہند کے اعلان کے ساتھ ہی ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں نے ہجرت کرنا شروع کر دی۔ جیسا کہ انھوں نے ناول میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"دن میں ایک آدھ گاڑی ان کے بھائی بندوں کی ہندوستان سے وارد ہوتی اور تقریباً اتنے ہی لوگ ہندوستان جانے کے لئے یہاں سے گاڑیوں میں سوار ہوتے یا شمال کی طرف سے گاڑیوں میں بھر کر آتے اور رواگے کی سرحد کی طرف نکل جاتے"۔۱۸

ناول کی فضا پر عبداللہ حسین نے سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔ واقعہ چاہے دیہاتی زندگی کا ہو یا شہری زندگی کا، جنگِ عظیم کا ذکر ہو یا تحریکِ پاکستان، ہجرت یا پاکستان کے ابتدائی مسائل پر بحث ہو۔ انھوں نے ہر موقع کے ماحول اور فضا کو گہرے مشاہدے کے ساتھ بیان کیا ہے:

" کھیتوں سے چلتا ہوا وہ اس جگہ پہنچا جہاں شیشم اور کیکر کے ذخیرے کے گرداگرد جگہ جگہ سے ٹوٹی کچی دیوار کھنچی ہوئی تھی"۔۱۹

شہری زندگی کے رکھ رکھاو کو انھوں نے اس طرح بیان کیا ہے:

" ۔۔۔ نیپکن ساری میزوں پر رکھے تھے اور سفید وردیوں والے بیرے آخری انتظامات میں مصروف تھے"۔۲۰

جنگِ عظیم اول و دوم کے دوران معاشرے میں جو تبدیلیاں آئیں اور میدانِ جنگ میں فوجیوں کو جن جن مسائل کا شکار ہونا یا جن سختیوں کو برداشت کرنا پڑا وہ سب حالات اس ناول میں موجود ہیں۔

انگریزوں نے جنگِ عظیم سے پہلے روشن پور کے بیشتر جوانوں کو انگریز فوج میں بھرتی کر لیا تھا ان کی غیر موجودگی میں روشن پور میں جو تبدیلیاں آئیں اسے عبداللہ حسین نے بیان کر کے ناول کے فن اور حقیقت نگاری کے عنصر پر مثبت اثرات ڈالے ہیں۔

"۔۔۔ان برسوں میں روشن پور کے بیسوں نوجوان اجنبی سرزمینوں میں ہلاک ہو گئے تھے۔ جنگ کے میدانوں میں بکھرے ہوئے ان کے مضبوط، مضبوط جسم تیز دھوپ میں بخارات بن کر اڑ گئے اور نئے سیلابوں، نئی آندھیوں اور طوفان نے ان کی ہڈیاں زمین مین دبا دیں۔ بیسوں عورتیں بیوہ ہو گئیں اور لڑکیاں محبت میں غریب ہو گئیں۔ روشن پور کی زمینوں میں سیلاب آئے اور فصلیں تباہ ہو گئیں اور کسان قرضے اور بھوک کے نیچے جھک گئے۔ جانور بیماری سے مر گئے یا بھوکے کسانوں نے کاٹ کر کھا لیے"۔۲۱

تحریکِ پاکستان سے جہاں ہندوستان کے سیاسی حالات میں تبدیلی آئی وہاں عام لوگ بھی یقین اور غیر یقینی کی صورتِ حال سے دوچار ہو گئے۔ اس نفا نفسی اور بے چینی کی ناول نگار نے بہت وضاحت اور سچائی کے ساتھ بیان کیا ہے:

"۔۔۔ ملک کی دونوں بڑی پارٹیوں، کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈر دلّی میں جمع تھے اور وائسر اے ماونٹ بیٹن سے ملنے میں مصروف تھے۔ ہر طرف عجیب افرا تفری کا عالم تھا ملک کے مستقبل کے متعلق ہر کوئی اپنی سی پیش گوئی کر رہا تھا، لیکن ہر کوئی اپنی اپنی جگہ مکمل بے یقینی اور بے اعتمادی کی حالت میں تھا۔ روزانہ زندگی کا ہر کاروبار معطل ہو چکا تھا۔ ملک کے بٹوارے کی خبریں گرم تھیں اور لوگ ایک جان گسل درمیانی وقفے سے گزر رہے تھے۔ چالیس کروڑ ہندوستانیوں پر ابتری کا وہ دور تھا کہ پہلے کبھی نہیں تھا"۔ ۲۲

تقسیم ہند کے فیصلے کے ساتھ ہی ہندو مسلم فسادات شدّت اختیار کر گئے اور لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ فسادات اور ہجرت کے دوران لوگوں کو جانی و مالی نقصان اُٹھانا پڑا۔ یہ تلخ حقیقت اس ناول کے آخری دو حصوں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

"اسی روز قافلے پر پہلی بار حملہ ہوا۔ حملہ آور ہندو اور سکھ تھے جو کلھاڑیوں، بلّموں، تلواروں اور رائفلوں سے مسلح تھے۔ قافلے والے بہت سے مردہ اور زخمی چھوڑ کر آندھی کی طرح بھاگے"۔ ۲۳

۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو جہاں مسلمانوں کو آزادی کی خوشی حاصل ہوئی وہیں انھیں حادثات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ نئے ملک میں انھیں ہر طرح کی آزادی تو حاصل تھی لیکن اس منزل تک پہنچتے پہنچتے جسمانی اور روحانی طور پر زخمی ہو چکے تھے اور ان کی معاشی حیثیت بھی بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ ناول میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے:

"سارے پلیٹ فارم بے گھر لوگوں سے اٹے پڑے تھے جو اپنے پھٹے پرانے بستر بچھائے اندر اور باہر ہر جگہ لیٹے تھے۔ سو رہے تھے۔۔۔ جو ہمت والے تھے، پیٹ بھرنے کے لئے مزدوری کرتے، بھیک مانگتے یا چوری کرتے، باقی کبھی کبھار اُٹھ کر ریلوے کے نل سے پانی پی لیتے اور سارا وقت پڑے رہتے"۔ ۲۴

طویل ہونے کی وجہ سے ناول میں کرداروں کی بھی بھرمار ہے، لیکن ان میں روشن، علیم، نعیم، عذرا کے کردار نمایاں ہیں، پرویز، نجمی، علی اور عائشہ کے کردار ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

روشن آغا کے کردار سے ناول کی کہانی شروع ہوتی ہے۔۔۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ کے دوران روشن علی نے ایک زخمی انگریز فوجی کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ جنگِ آزادی میں کامیاب ہونے کے بعد انگریزوں نے روشن علی کو انعام و اکرام سے نوازا اس کی سماجی اور معاشی حیثیت کو بالکل بدل دیا کرنل جانسن نے روشن علی کو خلعت عطا کی اور کہا کہ:

"۔۔۔جاواور جاکر جتنی زمین جہاں سے چاہو گھیر لو۔۔۔اس کے ایک فیاض انگریز حاکم نے۔۔۔ نواب روشن علی خان کو"آغا"کالقب عطا کیا"۔۲۵

روشن آغا کے انتقال کے بعدان کے بیٹے غلام محی الدین کو"روشن آغا"کالقب دے دیا گیااوراس نے بھی ہر موقع پر انگریزوں کی حمایت کی۔جنگِ عظیم اول کے موقع پر روشن آغا نے روشن پور کے لوگوں کوانگریز فوج میں شامل ہونے پر زور دیا۔جنگ کے دوران روشن پور کے فوجیوں نے بڑے سچے جذبے سے مخالف فوج کا مقابلہ کیا۔روشن آغااوران کے گھر کے تمام افراد کے لئے تمام سیاسی لیڈر ایک سے تھے مسلم لیگ یا کانگریس کے سیاسی افکار سے انھیں کوئی دل چسپی نہ تھی ان کا شوق اعلی عہدے داروں سے تعلقات بڑھانااورانگریزوں کی خوشنودی کے لئے سر گرداں رہنا تھا۔

"یہ لوگ ملک کی متوازی سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھتے تھےاوراپنے آپ کو"لبرل"کہہ کر پکارتے تھے"۔۲۶

تحریکِ پاکستان سے روشن آغا کو کوئی دل چسپی نہ تھی، لیکن ملک کی تقسیم کے بعد جب ہجرت کرنے کا وقت آیا تو انھیں اپنی جائیداد، صدیوں پرانے ملک اور اپنے گھر "روشن محل" کو چھوڑنا پڑا۔ حالات اس قدر بدل چکے تھے کہ انگریزوں سے اثر ورسوخ اور مراسم کی بھی اب کوئی اہمیت نہ رہی۔اس کے باوجود "روشن آغا" گھر والوں کے ساتھ ہجرت کرنے کے بجائے روشن محل میں اپنے ملازم کے ساتھ رہے۔

"شام تک روشن محل کے تمام نوکر غائب ہوگئے۔۔۔صرف حسین وفاداری سے۔۔۔بیٹھا رہا رات سے پہلے پہلے روشن محل کو آگ لگادی گئی۔۔۔روشن آغااور حسین پچھلے دروازوں سے جان بچا کر بھاگے"۔۲۷

ہجرت کے بعد روشن آغااوراس کے گھر والے لاہور کی کوٹھی میں منتقل ہوگئے۔محمد بیگ، نیاز بیگ اورایاز بیگ کے کرداروں کی اہمیت روشن آغا کے دوست اور نعیم کے خاندان کے افراد کی وجہ سے ہے۔

محمد بیگ روشن علی(روشن آغا) کے عزیز ترین دوست تھے۔جب انھیں انگریزوں کی طرف سے جائیداد ملی تو روشن آغا نے محمد بیگ کو نیا گھر بنا کر دیااوراپنی زمینوں میں سے پچاس مربع بھی دیے۔محمد بیگ کے مرنے کے بعداس کی جائیداد نیاز بیگ اورایاز بیگ کو مل گئی، لیکن ایک جرم میں نیاز بیگ کو بارہ سال قید بامشقت کی سزا ہوگئی۔سزا کے طور پر انگریز حکومت نے ان کے زمینوں کا بیشتر حصہ بھی ضبط کر لیاان حالات سے دل برداشتہ ہو کر ایاز بیگ، نیاز بیگ کے بیٹے نعیم کو لے کر شہر چلا گیا۔جہاں اس نے عمارتوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیااور نعیم کواعلی انگریزی اسکول میں تعلیم دلوائی۔

نعیم ناول کا مرکزی کردار ہے۔ نعیم چوں کہ ایک مجرم کا بیٹا تھا اس لیے سرکاری قانون کے مطابق وہ سرکاری ملازمت کرنے کا اہل نہ تھا، لہذا سینئر کیمبرج کے بعد وہ روشن پور چلا گیا۔ روشن پور میں نعیم نے کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد جنگ عظیم اول شروع ہو گئی اور انگریز افسروں نے کسانوں کو جبراً برطانوی فوج میں شامل کیا۔ جنگ میں اعلی کارکردگی دکھانے پر نعیم کو ایک مربع زمین اور کراس (تمغہ) ملا۔ جنگ کا اختتام کامیابی پر ہوا اور اس کے بعد نعیم روشن پور آ گیا، جہاں کچھ عرصہ دہشت گردوں کے گروہ میں شامل رہ کر اس نے اس گروہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔

اسی دوران نعیم شیلا نام کی لڑکی سے محبت کا ڈھونگ رچا کر اسے ہوس کا نشانہ بناتا رہا، اور پھر ایک دن اسے چھوڑ کر روشن پور چلا گیا، لیکن اس گناہ کے احساس نے اسے ساری زندگی بے چین رکھا۔ جیسے کہ اس نے خود اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"۔۔۔میں نے اسے تباہ کر دیا، محبت کے بغیر، اور اس کے بعد سے وہ میرے دل میں ہے۔۔۔اتنی مدّت ہوئی میں کبھی دل میں امن لے کر۔۔۔نہیں سو سکا"۔۲۸

اپنے والد کے انتقال کے بعد نعیم دوبارہ شہر میں چلا گیا۔ جہاں اس کی شادی روشن آغا کی بیٹی عذرا سے ہو گئی۔ شادی کے بعد عذرا اور نعیم روشن پور آ گئے۔ تربیت اور ماحول میں فرق کی وجہ سے عذرا اور نعیم کے خیالات میں بھی فرق تھا۔ اسی لیے دونوں کی زندگی کی مقاصد بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

"پرنس آف ویلز کے ہندوستانی دورے کے سلسلے میں حکومت نے تمام سیاسی پارٹیوں کو دبانا شروع کیا۔۔۔انڈین نیشنل کانگریس نے دورے کا بائیکاٹ کرنے کا ارادہ کیا تو اسے خلاف قانون جماعت قرار دیا گیا۔۔۔اور وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئیں"۔۲۹

کانگریس کا حامی ہونے کی وجہ سے نعیم بھی پرنس کے خلاف مظاہرہ کرنا چاہتا تھا، اور وہ گرفتار ہونے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔

جب پرنس آف ویلز دہلی میں آئے تو مسلمان اور ہندو مظاہرین نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔

"۔۔۔سرو کے مصنوعی درختوں۔۔۔کی لکڑی پر برقی روشنی سے لکھے ہوئے یہ الفاظ بار بار ظاہر اور غائب ہو رہے تھے": "Tell your mother, we are unhappy"۔۳۰

ایک گروپ نے ان الفاظ میں مظاہرہ کیا: "۔۔۔ان کے جسم ننگے اور سیاہ تھے اور سر منڈھے تھے جن پر لکھا تھا: Tell your mother, we are hungry" ۳۱

"۔۔۔اسی گلی میں چند گائیں باہر ہانک دی گئیں۔۔۔ان کے گلوں میں بھی بورڈ لٹک رہے تھے۔ جن پر رقم تھا": "Tell your mother, we are dry." ۳۲

عذرا نے ذمّے داری لے لی تھی کہ وہ تحریری طور پر مظاہرہ کرنے میں نعیم کا ساتھ دی گی۔ وہ بورڈ

جس پر پرنس کے خلاف احتجاجی نعرے تحریر تھے۔ عذرا نے اپنے پاس رکھ لیا، لیکن پرنس سے ذاتی دل چسپی اور نعیم کی گرفتار کے ڈر سے عذرا نے وہ بورڈ پرنس کے سامنے نہیں کیا۔ اس طرح عذرا کی چالا کی سے نعیم گرفتار نہیں ہو سکا۔

۱۹۲۴ میں نعیم کو جاٹ نگر میں جلسہ منعقد کرنے کے سلسلے میں دہلی سے ہدایات موصول ہوئیں۔ اس جلسے میں نعیم کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ شامل تھے۔ اس موقع پر نعیم نے سوراج کے لئے انگریزوں کے خلاف بڑی جذباتی اور نفرت آمیز تقریر کی۔ جس کی وجہ سے نعیم کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا، اور اس کی زمینیں اور کراس ضبط ہو گئے۔

جب آل انڈیا مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں کا فیصلہ کیا گیا تو فرانس سے آغا خان سوم کو بھی اس سیاسی تقریب میں مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر بھی عذرا آغا خان سوم کو دیکھنے کے لئے بے چین ہو گئی۔

نعیم کے لئے یہ احساس بہت تکلیف دہ تھا کہ عذرا اس کے جذبات و احساسات سے زیادہ اس کے کراس، فوجی لباس یا زمینوں کی قدر کرتی ہے۔ اِس موقع پر عذرا نے روایتی جاگیر داروں کی طرح اپنے خاندان کے نعیم کے خاندان پر کیے جانے والے احسانات کو جتایا:

"میرے باپ کا گھر ہے؛ میرے باپ کی زمینیں ہیں جو تم کھاتے ہو۔"۳۳

عرض یہ کہ عذرا اور نعیم کی زندگی کا بیشتر حصہ ایک دوسرے کو قائل کرنے میں گزر گیا، لیکن عمر کے آخری حصے میں نعیم نے خود کو شہری زندگی کے طور طریقوں سے ڈھال لیا، اور عذرا اور راس کے خاندان کے احسانات کو تسلیم کر لیا۔

" نعیم وزارتِ تعلیم میں انڈین پارلمینٹری سیکرٹری تھا۔۔۔ سب جانتے تھے کہ اس میں روشن آغا کے ذاتی اثر و رسوخ کا بڑا حصہ تھا۔۔۔ آہستہ آہستہ وہ اس قابل ہو گیا کہ دن بھر کا کام وقتِ مقررہ کے اندر ختم کر لیتا۔ اس سے بہر حال اسے کوئی طمانیت حاصل نہ ہوئی۔ نئی شخصیت کو اپنانے کی کوشش میں اس نے اپنی قدرتی شخصیت بھی کھو دی تھی۔" ۳۴

اس یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی تو ان کی مخالف یا حمایت کرنے والوں کے الگ قوانین تھے۔ جب تک نعیم ایک عام شہری تھا اس وقت وہ مجرم کا بیٹا ہونے کہ وجہ سے سرکاری ملازمت نہیں کر سکا۔ کانگریسی ہونے کی وجہ جیل گیا اور سزا کے طور پر اس کی زمینیں اور کراس ضبط کر لی گیئں، لیکن جب اس نے روشن آغا کے آگے سر خم کر دیا تو اس کا شمار بھی معاشرے کے اعلیٰ سرکاری افسران میں ہونے لگا۔

تقسیمِ ہند کے بعد جب ہندو مسلم فسادات شدّت اختیار کر گئے اور ہجرت نا گزیر ہو گئی تو نعیم بھی پیدل ہجرت کرنے والے قافلے کے ساتھ شامل ہو گیا، اس قافلے میں اسے اپنا بچھڑا ہوا بھائی علی اور اس

کی بیوی عائشہ ملے۔ان سب نے پاکستان جاکر نئی زندگی شروع کرنے کے خواب دیکھے تھے، لیکن منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی نعیم کو بلوائیوں نے قتل کر دیا۔اس کا ذکر بہت ہی مبہم انداز میں کیا گیا ہے:

"۔۔۔آخری دفعہ انھیں ہجوم میں غائب ہوتی ہوئی نعیم کی پشت نظر آئی جس پر قمیض تار تار ہو کر لٹک رہی تھی۔کچھ دیر بعد کہیں قریب سے چند فائروں کی آواز آئی۔" ۳۵

ابتدا میں ناول نگار نے نعیم کے کردار کے تمام پہلوؤں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔لیکن مندرجہ ذیل بالا سطور پڑھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مصنف نے فسادات کے دوران نعیم کے قتل ہونے کا واقعہ نامناسب اور مختصر طریقے سے بیان کیا ہے، اور نہ ہی اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ نعیم نے عذرا یا اس کے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کیوں نہیں کی۔

عذرا ناول کی ہیروئن ہے اور روشن آغا کی بیٹی، پرویز کی بہن اور نعیم کی بیوی ہے۔عذرا ایک جاگیر دار خاندان کی اعلی تعلیم یافتہ اور جرات مند لڑکی ہے۔نعیم سے شادی سے لے کر پرنس آف ویلز اور سائمن کا استقبال اور نعیم کے ساتھ مل کر جلیاں والا باغ کے واقعہ کی تحقیق تک ہر کام اس نے اپنی پسند اور روشن آغا کی مخالفت کا سامنا کر کے بڑی جرات مندی کے ساتھ انجام دیا۔

نعیم سے شادی کے بعد وہ "روشن پور" چلی گئی، لیکن خود کو دیہاتی ماحول میں ڈھال نہ سکی۔

جلیاں والا باغ کے المناک حادثے سے عذرا بے خبر نہ تھی، لیکن اس حادثے سے عذرا کے دل کو کوئی قابل ذکر تکلیف نہ پہنچی تھی۔جلیاں والا باغ کی تحقیق سے واپسی پر عذرا اور نعیم نے ایک انگریز فوجی افسر کی گفتگو سنی جو یہ تھی۔

"میں ہندوستانیوں کے اس مقدّس شہر کو جلا کر راکھ کر سکتا تھا، اور ان کا طرز عمل دیکھ کر میرے جی میں اس قانون شکن اور باغی ہجوم کی نیست و نابود کر دوں اور ان کے بچوں اور ان کے گھروں کو آگ لگا دوں، لیکن محض انسانی رحم و کرم اور خدا ترسی کے جذبے نے مجھے روک لیا میں نے ایک لا قانون قوم کو زنجیروں میں جکڑ کر رکھ دیا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ پر انکوئری بٹھا دی گئی۔۔۔نعیم اور عذرا کو یہ جاننے میں دقت نہ ہوئی کہ وہ شخص جلیاں والا باغ کا فاتح بریگیڈیر جنرل ڈائر تھا۔عذرا اور اس کی شاندار شخصیت اور جارحانہ انداز سے مرعوب ہوئی، لیکن نعیم کے ہاتھ اسے مار گرانے کے لئے کانپنے لگے۔" ۳۶

پرنس آف ویلز کو دیکھنے کے لئے عذرا نعیم کو پرنس کے خلاف احتجاج کرنے کے بہانے کلکتہ لے گئی لیکن عین موقع پر اس نے نعیم کو دھوکا دیا۔

" نعیم نے بورڈ اس کے ہاتھ میں ٹھونس دیا جو اس نے ہاتھ لٹکائے لٹکائے پکڑ لیا اور شہزادے پر سے نظریں ہٹائے بغیر، سحر زدہ سی، کھڑی رہی۔انھیں گزرتے ہوئے دیکھ کر نعیم نے۔۔۔اس کا بازو مروڑا۔۔۔"اوہ!" عذرا کے منہ سے نکلا۔۔۔بورڈ پاوں میں گر پڑا۔" ۳۷

اور یوں عذرا کی اپنی خواہش تو پوری ہو گئی لیکن نعیم اپنے مقصد میں کام یاب نہ ہو سکا۔ سائمن کمیشن کی پورے ہندوستان میں مخالفت کی گئی۔

"۔۔۔ہفتوں پہلے سے سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ ان کا استقبال کرنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔"۳۸

عذرا ان تمام حالات کی پروا کیے بغیر سائمن سے ملنے کے لئے بے چین تھی، اس نے لکھنو جانے کی ٹھان لی۔ عذرا کا لکھنو جانے کا دوسرا مقصد نعیم سے جیل میں ملاقات کرنا تھا۔ سائمن سے ملنے کی خوشی میں عذرا یہ بات بالکل فراموش کر چکی تھی کہ وہ جس کے استقبال کے لئے جا رہی ہے اس کے ساتھیوں کی وجہ سے اس کا شوہر جیل گیا ہے۔ جب عذرا سائمن کے استقبال کے بعد نعیم سے ملنے جیل گئی تو اس نے اصل حقیقت کو یوں بدل کر بتایا:

"ہم نے سائمن کمیشن کا کالی جھنڈیوں سے جلوس نکالا۔۔۔ وہ چوروں کی طرح اسٹیشن پر سے ہی چلے گئے۔"۳۹

اس واقعے کے بعد عذرا کے اپنے گھر والوں کے ساتھ تعلقات مزید خراب ہو گئے۔ روشن آغا نے عذرا اور نعیم دونوں کی سیاسی سرگرمیوں پر یوں اعتراض کیا کہ:

"نعیم نے پہلے ہی اپنی حب الوطنی سے ہماری عزت بڑھائی ہے۔ ہمارے خاندان میں پچھلے سو برس سے کسی نے ایسے کام نہ کیے تھے۔" ۴۰

آل انڈیا مسلم لیگ کے اتحاد کی تقریب کے موقع پر جب آغا خان سوم آئے تو عذرا اس سے ملنے کے لیے جس طرح بے تاب ہوئی اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، عذرا اور نعیم کے درمیان کبھی معمولی اور کبھی بڑی بات پر اختلافات ہو جاتے۔ اگرچہ عذرا نعیم کی ہر طرح سے دل جوئی کرنے کی کوشش کرتی لیکن اس کی بعض خواہشات ایسی ہوتیں جو نعیم کو سخت ناگوار گزرتیں۔ مثلاً:

"کل وحید کی پارٹی پر جائیں گے۔۔۔ گریگسن کنبہ بھی وہاں آئے گا۔ وہ سب رقص کے شیدائی ہیں کونونٹ میں ہم سب نے رقص سیکھا تھا۔"۴۱

نعیم کے فالج زدہ ہونے کے بعد عذرا نے اپنی ساری توجہ اس کی طرف مرکوز کر دی۔ نعیم نے بھی اس کی قدر کی اور خود کو اس کے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی لیکن اس وقت تک عذرا کی بہت سے خواہشات دم توڑ چکی تھیں۔ تقسیمِ ہند کے بعد عذرا اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کر کے لاہور آ گئی۔ پاکستان میں آ کر روشن آغا کے انتقال اور نعیم سے بچھڑنے کے بعد عذرا اور اس کی ماں پرویز اور اس کی بیوی کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے لگی۔

"۔۔۔اس کی بیوی کا عذرا کی طرف جو پرانا برتری کا رویہ قائم تھا اس میں اب اس کے لئے حقارت بھی شامل ہو چکی تھی، کہ پہلے ہجرت اور موروثی جائیداد کی کم گردگی اور اس کے بعد اس کے خاوند کی گم

شدگی اور روشن آغا کی موت سے اس گھر میں اس کی حیثیت صفر کے برابر رہ گئی تھی اور زندگی میں کوئی شے اس کے حق میں نہ رہی تھی۔۔۔درجے میں اس کے بعد صرف زمین آتے تھے۔" ۴۲

ان تمام حالات کا عذرا نے بہادری سے مقابلہ کیا، عذرا کے لئے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ اس نے اور نعیم نے ایک دوسرے کے لیے خود کو بدل لیا۔

" کبھی کبھی نعیم کا خیال آتا تو اس کے دل میں بے اختیار درد پیدا ہوتا۔۔۔اس وقت یکے بعد دیگرے چند سوچیں اس کے ذہن میں ابھرتیں۔۔۔وہ بڑی یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیتی۔۔۔اور آخیر میں سوچتی۔۔۔میں نے دل کی بے چینی پر فتح پائی ہے۔" ۴۳

ناول نگار نے عذرا کا انجام فلسفیانہ انداز میں کیا ہے۔ غالباً انھوں نے یہ انجام ناول "آگ کا دریا" کی "چمپا احمد" سے متاثر ہو کر کیا ہے "آگ کا دریا" کے اختتام پر ایک جگہ چمپا احمد کمال سے کہتی ہے:

"۔۔۔جہاں تک ذاتی کامیابی کا سوال ہے میں تم سے کہیں زیادہ خوش قسمت ہوں۔ میں نے سرا غپا لیا ہے۔"۴۴

"روشن محل کی عذرا پردیس اور ان کے دوست خود روشن محل کی فضا پر قرۃ العین حیدر کا کافی اثر ہے۔ یہ لوگ ان کرداروں کی طرح ہی گفتگو کرتے ہیں، ان کی ذہنی سطح کو بھی ان کے قریب لے جانے کی کوشش کی گئی ہے۔" 45

علی نعیم کا سوتیلا بھائی ہے، اور کھیتوں میں کام کرتا تھا لیکن نعیم کا خیال تھا کہ وہ زمینوں کی صحیح طرح دیکھ بھال نہیں کرتا اس لیے اسے ایک کارخانے میں ملازمت دلوادی۔ جہاں اسے سخت محنت ومشقت کرنا پڑی۔ روشن محل جا کر نعیم نے علی اور اس کی بیوی عائشہ کو بالکل بھلا دیا۔ ایک طویل عرصے کے بعد مہاجرین کے قافلے میں علی، عائشہ اور نعیم ایک دوسرے سے ملے۔ علی کے کردار کے ذریعے مہاجرین کی بے چینی اور بے حسی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ عائشہ سے شادی کے لیے علی نے بہت جتن کیے تھے۔ علی جب کارخانے میں کام کر رہا تھا اس کے معاشی حالات اچھے نہ تھے۔ اسی دوران عائشہ بھی بیمار ہو گئی تو علی:

"شام کو سبزیاں ابالتا۔۔۔موٹی موٹی روٹیاں پکاتا اور پہلے عائشہ کو کھلاتا اور پھر خود کھاتا۔۔۔ہر تین ماہ کے بعد جب اس کے پاس کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو ڈاکٹر کو لے کر آتا جو اس کی بیوی کے لیے کئی قسم کی دوائیاں تجویز کر کے چلا جاتا۔ ان میں سے جتنی وہ خرید کر لا سکتا تھا لے کر آتا اور باقاعدگی سے عائشہ کو پلاتا۔" 46

ہجرت کے دوران بھی علی نے عائشہ کا ہر ممکن خیال رکھا، لیکن جب مہاجرین کی گاڑی آئی تو گاڑی میں جلد از جلد داخل ہونے کے چکر میں ہر طرف افراتفری پھیل گئی اس موقع پر علی کی بے بسی اور بے حسی ملاحظہ کیجیئے:

"اسٹیشن پر اس نے عائشہ کو اٹھا کر چلنے کی سعی کی لیکن کم زوری اور بھیٹر کی وجہ سے گر گیا۔ پھر اٹھا اور بے دھیانی سے اکیلا چل پڑا، دروازے تک جا کر لوٹ آیا اور دوبارہ ادھ موئی عائشہ کو اٹھانا چاہا، پھر اسے زمین پر گھسیٹنے لگا، لیکن گھمسان کے رن میں ایک دفعہ پھر اس کا ہاتھ چھوٹ گیا اور وہ دھکے کھاتا ہوا اندر کی طرف بڑھنے لگا۔ جب گاڑی آہستہ آہستہ چلنی شروع ہوئی تو وہ لپک کر اس میں سوار ہوا۔" 47

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کس قدر عزیز ہوتی ہے۔ علی عائشہ سے بے پناہ محبت کرنے کے باوجود اپنی زندگی کو بچانے کے لیے عائشہ کو اسٹیشن پر تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ کر گاڑی میں سوار ہو گیا۔ حالاں کہ گاڑی میں بھی اس کی زندگی محفوظ نہ تھی۔ علی جب لاہور اسٹیشن پر پہنچا تو وہاں مہاجرین کا ہجوم پہلے سے موجود تھا، اور اس میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جب کوئی گاڑی اسٹیشن پر آکر رکتی تو علی اس میں جھانک کر ضرور دیکھتا۔

"۔۔۔ ہر دفعہ ایسا ہوتا کہ گاڑی کے سامنے گزرتا ہوا علی ہجوم کے دھکے کھا کر گر پڑتا۔۔۔ وہ چیختا چلاتا اور گالیاں دیتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوتا اور اپنی بے کار کوشش کو جاری رکھتا۔۔۔ اس کے پاس کا بھی کوئی واضح تصور موجود نہ تھا کہ وہ کس کی تلاش میں تھا اور کس کا انتظار کر رہا تھا۔" 48

لاہور اسٹیشن پر علی کو بانو ملی جو علی کو انبالے اسٹیشن پر بھی ملی چکی تھی اور اب کپڑے کے کارخانے میں کام کرتی تھی اور ہر روز اپنے بیٹے کی تلاش میں لاہور اسٹیشن آتی۔ وہ علی کو بھی اپنے ساتھ لے جاتی۔

یہ بانو اصل شیلا تھی جو نعیم سمیت مختلف مردوں کی ہوس کا نشانہ بننے کے بعد لال دین کی بیوی بن گئی اور مسلمان ہو چکی تھی۔ بانو کی جھونپڑی میں اب علی اور دین محمد بھی رہنے لگی، اور بعد میں علی نے دونوں کی رضامندی سے بانو اور دین محمد کی شادی کروا دی۔

عبداللہ حسین نے اس ناول میں دو مختلف طبقات کو دکھایا ہے۔ ایک طرف روشن آغا کا خاندان ہے جس میں عذرا، پرویز اور نجمی وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری طرف محمد بیگ، نیاز بیگ، ایاز بیگ، نعیم اور عائشہ شامل ہیں۔ کلکٹر سے نواب آف روشن پور بننے میں ان کی محنت کا نہیں، بلکہ انگریزوں سے تعلقات کا گہرا عمل دخل تھا۔ ملک کے حالات کیسے بھی ہوتے انھیں کوئی فرق نہ پڑتا۔۔۔ معاشرے میں انھیں خاص مقا م حاصل ہے، اور زندگی کی تمام سہولتیں انھیں میسر تھیں۔

ا سخت

ہندو اور

گوار گزرتی۔ تقسیمِ ہند کے اعلان کے ساتھ ہی ملک میں ہندو مسلم فسادات شدت اختیار کر گئے اور لو گو ں کو اچانک ہجرت کرنا پڑی جس سے ہر طرف افرا تفری پھیل گئی۔

"چند روز بعد فسادات زور پکڑ گئے اور لوگ شہر چھوڑنے لگے۔ ریل گاڑیاں کم پڑ گئیں تو جان بچا کر بھاگنے والوں کے قافلے پیدل چل پڑے۔۔۔ وہ جسے اب تک ملک کی آبادی نے محض

خیال آرائی سمجھ رکھا تھا حقیقت بنتی ہوئی نظر آئی تو لوگ دفعتاً خالی الذہن ہو گئے۔ فسادات کی حیوانیت سر پر سوار ہوئی تو بالکل بوکھلا گئے اور گھر بار چھوڑ چھاڑ، منزل کا تعین کیے بغیر بھاگ اُٹھے۔" 49

ان حالات میں بھی روشن آغا یا اس کے خاندان کے کسی فرد پر کوئی آنچ نہ آئی، اور جب ہجرت کرنے کا وقت آیا تو بھی انھیں کسی قسم کی تکلیف پیش نہ آئی۔ عبداللہ حسین نے اس حقیقت کو پرویز کے کردار کے ذریعے یوں بیان کیا ہے۔

"پرویز دو گھنٹے سے متواتر بول بول کر اب خاموش ہو چکا تھا۔ صبح سے وہ روشن آغا کو سب کے ساتھ پاکستان جانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے دہلی سے لاہور جانے والے ہوائی جہاز پر سب کی سیٹیں بک کرالی تھیں اور سامان، روشن آغا کو خبر کیے بغیر باندھا جا چکا تھا"۔ 50

لاہور میں انھیں کوئی تکلیف نہ تھی۔ ہندوستان میں ان کے لیے "روشن محل" تھا تو پاکستان میں "راج منزل" تھی۔ اتنا سا فرق بھی روشن آغا سے برداشت نہیں ہو رہا تھا، اور وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح کوٹھی کا نام "روشن محل" ہو جائے۔ روشن آغا کے گھر کے دوسرے افراد کو بھی نئے ملک مین کوئی خاص دشواری پیش نہ آئی اور وہ نئے ماحول میں بہت جلد ڈھل گئے۔

" ---نجمی نے ایک کونونٹ میں پڑھا شروع کر دیا تھا۔ مالی ضرورت سے کم اور اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی خاطر زیادہ، گو اس بات کا اس کے باپ کو علم نہ تھا۔ پرویز صوبائی حکومت میں اعلی افسر تھا، اور ایک پرانی اوپل پر--- سیکرٹریٹ جایا کرتا تھا۔" 51

دوسری طرف ہندوستان کی عام عوام تھی جس میں محمد بیگ، نیاز بیگ، ایاز بیگ، نعیم، علی اور عائشہ شامل ہیں۔ یہ معاشرے کے مظلوم اور پسے ہوئے طبقے کے افراد تھے جو 1857ء کے بعد سے قیامِ پاکستان تک مختلف حادثات کا شکار ہوتے رہے۔ کبھی غداری کے جرم میں، کبھی جنگِ عظیم کے دوران، پھر تحریک پاکستان کے لیے اور آخر میں فسادات اور ہجرت کے دوران جانی، مالی اور روحانی نقصانات کا شکار ہوئے۔

" --- تقسیم کے بعد بکھرا ہوا جاگیری نظام ملک پاکستان میں پھر سے اپنی نئی حیثیت بنالیتا ہے وہ کسان مزدور جو ہندوستان سے ہجرت کر کے نئی زمین پر آتے ہیں تو انہیں یہاں بھی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔" 52

جنگِ عظیم اول میں روشن پورے کے جوان کو زبردستی فوج میں شامل کرتے وقت انگریز حکومت نے اس بات کا قطعی خیال نہ کیا کہ ان کے خاندان اور فصلوں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔

"اپنی فصلیں اب تم اس سے کاٹو گے اور میدانِ جنگ میں کاٹو گے"، یہ کہہ کر اس نے سنگین ہوا میں لہرائی--- سنگین لگی ہوئی رائفلوں سے جوانوں کو ہانکا جانے لگا۔ بعض کسانوں کی پسلیوں میں رائفلوں کے دستے اور سنگین چبھو چبھو کر بیلوں سے علاحدہ کیا گیا۔" 53

جنگِ عظیم سے پہلے انگریزوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں سے وعدہ کیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر وہ انھیں انعام واکرام سے نوازیں گے، لیکن جب وہ وعدہ پورا نہ کیا گیا تو ان کے خلاف مظاہرے کیے گئے جنھیں برداشت کرنا انگریزوں کے بس میں نہ تھا۔ چناں چہ انھوں نے رولٹ ایکٹ نافذ کرکے مظاہرے کرنے پر پابندی لگادی، لیکن اس کے باوجود جب مظاہرے ہوتے رہے تو جرنل ڈائر نے ایک چال چلی اور انھیں جلیاں والا باغ میں جمع ہوکر اپنے مطالبات پیش کرنے کی تجویز دی۔ جب سب جمع ہوگئے تو ان پر فائرنگ کردی گئی جس سے ہزاروں ہندو اور مسلمان مرے۔

انگریز ہندو مسلم اتحاد کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے تھے اس لیے وہ کسی نہ کسی بہانے انھیں لڑانے کی کوشش کرتے، اور ان کے باہمی اختلافات بالخصوص مذہبی معاملات کو بنیاد بنا کر انھیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے۔ جسے عبداللہ حسین نے ناول میں ایک کردار کے ذریعے یوں بیان کیا ہے۔

"گئوکشی کی بات تھی چوہدری۔۔۔ مدت سے۔۔ پندرھویں کی پندرھویں گائے ذبح ہوتی آئی ہے۔ آج ہندو ضد پر آ گئے۔۔۔ یہ سب اس سوروں کی شرارت ہے جو باہر سے آئے ہیں۔ بس جھگڑا بڑھ گیا۔ ماسٹر، جو بے چارا ادھر کا نہ ادھر کا، سمجھانے گیا اور سوروں نے اسے ختم کردیا۔" 54

پرنس آف ویلز اور سائمن کمیشن کی آمد کے موقع پر جب ہندوستانی نے اس کے خلاف مظاہرہ کیا تو وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

تحریکِ پاکستان کے بعد جب تقسیمِ ہند کا اعلان ہوا تو اس موقع پر بھی غریب اور متوسط طبقے کو ہی ہر قسم کے نقصانات کا سامنا کرنا پڑا ہجرت سے لے کر پاکستان پہنچنے تک انھیں خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ لاکھوں مسلمان شہید ہوئے اور جو زندہ رہے وہ خوف، دہشت اور صدمے سے بدحواس ہو چکے تھے۔ آزاد ملک میں پہنچنے کے بعد انھیں وہ خوشی نہ ملی۔ جس کے لیے انھوں نے کئی سال تک انتھک جدوجہد کی تھی۔

عبداللہ حسین نے ناول کے چاروں ابواب "برٹش انڈیا"، "ہندوستان"، "بٹوارا" اور "اختتامیہ" میں ہندوستانی معاشرے کے مختلف طبقات پر ملک کے سیاسی حالات کے اثرات اور اس میں ان کی شمولیت یا گریز کو بیان کیا ہے۔

نعیم کے کردار کے ذریعے انھوں نے معاشرے کے ان لوگوں کی نمائندگی کی ہے جنھوں نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر ملک کے تحفظ اور سلامتی کے لیے ہر ممکن کوششیں کیں۔ نعیم نے انگریزوں کے دور میں جنگِ عظیم میں بحیثیت برطانوی فوجی اور بعد میں کانگریس بن کر ہر مصیبت کا سامنا کیا اور پھر جب تقسیمِ ہند کے بعد ہجرت کرنے کا وقت آیا تو بھی ہجرت کی صعوبتوں کو برداشت کرنا پڑا۔ ہجرت کے دوران بہت سے لوگ مارے گئے جن میں نعیم بھی شامل تھا اور جو لوگ آزاد ملک میں پہنچے ان کی زندگی میں بھی کوئی خوشگوار تبدیلی نہ آئی۔

"اداس نسلیں" اپنے سیٹ اپ میں ایک سے زیادہ عہد کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی زندگی کا "آگ کا دریا" ہی کی طرح احاطہ کرتا ہے یہاں بھی وقت کی حشر سامانیاں ہیں۔ غرض "اداس نسلیں" بھی قارئین کے شعور کو جھنجھوڑتا ہے"۔55

جب کہ دوسری طرف روشن آغا کے خاندان کے افراد انگریزوں سے وفاداری کے صلے میں ہر دور میں سکھ اور چین نصیب ہوا۔ آزادی کے بعد بھی ملک سے وہ طبقاتی نظام ختم نہ ہو سکا جس کی وجہ سے ملک میں جو ناانصافیاں ہوئی تھیں وہ بھی ختم نہ ہو سکیں۔

غرض یہ کہ ملک تو بدل گیا لیکن نظام نہ بدلا۔ کوششیں کرنے اور زندگی کو داو پر لگانے والے کوئی اور تھے اور اس کا صلہ کسی اور کو ملا۔ یہ مظلوم اور پسے ہوئے لوگ جو منزل تک کبھی نہ پہنچ سکے وہی لوگ دراصل معاشرے کی "اداس نسلیں" ہیں۔ انھیں کے لیے محسن بھوپالی نے کہا تھا۔

نیرنگئ سیاست دوراں تو دیکھئے
منزل انھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

"حواشی"

1۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ڈاکٹر سلیم اختر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 2005 ایڈیشن 27 ص 497
2۔ تقسیم کے بعد اردو ناول، ڈاکٹر عبدالسلام، مشمولہ، اردو نثر کا فنی ارتقاء مرتبہ فرمان فتح پوری اردو اکیڈمی سندھ کراچی 1989، بار دوئم ص 84
3۔ اداس نسلیں عبداللہ حسین سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ص 232
4۔ ایضاً ص 75
5۔ اداس نسلیں ایک جائزہ، ڈاکٹر عبدالسلام، مشمولہ سہ ماہی سیپ کراچی دسمبر 1983 ص 95
6۔ اردو ناول آزادی کے بعد، اسلم آزاد، سیمانت پرکاشن، نئی دہلی 1990، ص 241
7۔ اداس نسلیں عبداللہ حسین ص 57
8۔ ایضاً ص 50
9۔ ایضاً ص 24
10۔ ایضاً ص 25
11۔ ایضاً ص 413
12۔ ایضاً ص 160
13۔ تقسیم کے بعد اردو ناول ڈاکٹر عبدالسلام مشمولہ اردو نثر کا فنی ارتقاء، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی ص 86
14۔ اردو ناول آزادی کے بعد ڈاکٹر ممتاز احمد خان، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی بار دوئم 2001، ص 241

15۔ اداس نسلیں، عبداللہ حسین ص 85
16۔ ایضاً ص494
17۔ ایضاً ص294
18۔ ایضاً ص529
19۔ ایضاً ص217
20۔ ایضاً ص12
21۔ ایضاً ص147
22۔ ایضاً ص422
23۔ ایضاً ص505
24۔ ایضاً ص529
25۔ ایضاً ص5
26۔ ایضاً ص289
27۔ ایضاً ص496
28۔ ایضاً ص490
29۔ ایضاً ص260
30۔ ایضاً ص66-265
31۔ ایضاً ص266
32۔ ایضاً ص267
33۔ ایضاً ص320
34۔ ایضاً ص449
35۔ ایضاً ص526-525
36۔ ایضاً ص253
37۔ ایضاً ص266
38۔ ایضاً ص293
39۔ ایضاً ص293
40۔ ایضاً ص303
41۔ ایضاً ص318
42۔ ایضاً ص554
43۔ ایضاً ص555
44۔ ایضاً ص735
45۔ اردو نثر کا ارتقاء مرتبہ فرمان فتح پوری ص86
46۔ اداس نسلیں، عبداللہ حسین ص434
47۔ ایضاً ص526
48۔ ایضاً ص495
49۔ ایضاً ص495
50۔ ایضاً ص495
51۔ ایضاً ص540
52۔ اردو ناول میں سماجی شعور، ڈاکٹر محمد افضال بٹ، پورب اکادمی، اسلام آباد طبع اول 2009، ص199
53۔ اداس نسلیں، عبداللہ حسین، ص78
54۔ ایضاً ص217
55۔ ایضاً ص364